بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

باہمی معاملات میں نرمی اور آسانی کی ترغیب

خطبہ مسنونہ کے بعد...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشية:۲۰،۲۱)

''پس آپ ؐ نصیحت کرتے رہیے، آپ تو بس نصیحت کرنے والے ہی ہیں، نہ کہ ان پر چھا جانے والے (داروغہ)۔''

شریعتِ اسلامیہ ہمارے لئے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے،جس نے ہمیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا، زندگی کے مختلف حالات اور طور اطوار میں شریعت کی تعلیمات و ہدایات کے ذریعے ہمارے لئے رہنمائی کا سامان مہیا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مزاج مختلف بنائے ہیں۔بہت دفعہ انسان ان تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے مزاج کو بھی شامل کر لیتا ہے اور بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ وہ تعلیماتِ شریعت پر عمل کر رہا ہے، حالانکہ درحقیقت وہ اس کا اپنا مزاج ہی ہوتا ہے۔اس شریعت نے جہاں انسان کی عملی رہنمائی کی ہے، وہاں اس کے مزاج کی اصلاح وتربیت کے لئے نہ صرف واضح ہدایات دیں بلکہ اُسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ کے لئے ایک رسول ﷺ بھی بھیجا۔اس سارے عمل کو قرآن کریم نے تعلیم وتزکیہ کے ایک جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آلِ عمران:۱۶۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ بہت بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان خود اُنہی میں سے ایک پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات اُنہیں سناتا ہے۔ ان کی تربیت وتزکیہ کرتا اور اُنہیں کتاب وحکمت (اُسوۂ حسنہ) کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں

www.KitaboSunnat.com

پڑے ہوئے تھے۔''

نبی ﷺ نے ایک طرف اپنی زبان سے لوگوں کو تعلیم دی تو اس کے ساتھ تربیت و اصلاح کیلئے ایک عملی کردار بھی پیش کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے ذریعے انسان کی عملی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج و فکر، جس پر انسانی رویے تشکیل پاتے ہیں، کی تربیت کا بھی بھرپور انتظام کردیا، جس کی چھاپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں تو انتہائی نمایاں تھی کیونکہ صحبت کا اثر ایسا بھی ہوتا ہے جو انسانی مزاج پر غیر شعوری طور پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے۔

بعد میں ایک طبقہ نے اسے ایک فن کے طور پر اختیار کرلیا اور تزکیۂ نفس کے مصنوعی طریقے ایجاد کیے جنہیں 'تصوف کے طریقے' کہا جاتا ہے۔ لیکن پختہ فکر اور محتاط علما نے اس روش کو غلط قرار دیا اور واضح کیا کہ انسانی مزاج کی اصلاح و تربیت کے لئے تصوف کے ان مصنوعی طریقوں کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ شریعت کی تعلیمات اور اُسوۂ کامل ہر میدان میں کافی و وافی موجود ہیں۔ انسانی مزاج اور نفسیات کی تربیت کے لئے شریعت کی تعلیمات اتنی اعلیٰ ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے زندگی کے طور اطوار اور رویے ایک معتدل اور کامل انسان کے قالب میں ڈھل سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کے ظاہری اعمال کے محاسبہ کا تذکرہ کیا ہے، وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ انسانی مزاج اور باطنی کیفیات کا بھی محاسبہ ہوگا، کیونکہ رویوں اور اعمال کے ظہور میں درحقیقت انسان کی باطنی کیفیات اور نفسیات ہی کارفرما ہوتی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (البقرۃ:۲۸۴)

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے۔ تم اپنی باطنی کیفیات ونفسیات کو چھپاؤ یا اُنہیں (اعمال کی صورت) ظاہر کرو، اللہ بہر حال ان کا حساب تم سے لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے معاف کردے اور جسے چاہے سزا دے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی کیفیت کی اصلاح و تربیت پر اس لئے زور دیا کہ اگر انسانی

© rasailojaraid.com

نفسیات متوازن اور پاکیزہ ہوں گی تو اس کے نتیجے میں تشکیل پانے والے اعمال اور رویے بھی پاکیزہ اور متوازن ہوں گے اور اگر انسانی نفسیات پراگندہ اور مزاج تند و تلخ ہوگا تو اس کے نتیجے میں ظہور میں آنے والے اعمال بھی یقیناً غیر متوازن ہوں گے۔

انسانی رویوں کا باطن اور دل کے ساتھ گہرا تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے خاص ایمان کی بنیاد پر اپنا اور انسانوں کا دوسروں کے ساتھ رویہ اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ رویہ اس بنیاد پر استوار ہونا چاہئے کہ وہ شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ایمان رکھتا ہے تو اس کے ساتھ رویہ کیسا ہو اور اگر ایمان نہیں رکھتا تو پھر کیسا ہو؟ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلٰـمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ (الانعام:۵۴)

''جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو، تم پر سلامتی ہے۔ تمہارے ربّ نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے......''

لہٰذا جہاں ایمان موجود ہو اور مقصد نیک ہو، وہاں بدظنی کی بجائے حسن ظن اور نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایسی صورتحال میں تو بسا اوقات سنگین ترین اجتہادی غلطی بھی نظر انداز کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسے مواقع پر جہاں نیت کا فساد نہ ہوتا، بڑی سے بڑی غلطی کو نظر انداز کر دیتے۔ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے دورِ نبوت کا ایک سنگین ترین واقعہ ذکر کیا ہے جس میں ہمارے لئے رہنمائی کا کافی سامان ہے:

''جب نبی ﷺ نے مکہ پر حملہ کا پروگرام بنایا تو ایک صحابیؓ (حاطب بن ابی بلتعہؓ) نے یہ سمجھ کر کہ آپ ﷺ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں، آپ کی فتح یقینی ہے، لہٰذا اس نے اپنے رشتہ داروں کو کفارِ مکہ کے شر سے بچانے کے لئے ان پر احسان کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس نے کفارِ مکہ کو نبی ﷺ کے حملہ کی اطلاع دینے کے لئے ایک عورت کو رقعہ دے کر بھیجا۔ عورت نے وہ رقعہ اپنی چوٹی میں گوندھ لیا تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو اور مکہ کے راستہ پر چل پڑی۔

اس امر کی نبی ﷺ کو وحی سے اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور مقداد بن اسودؓ کو حکم دیا کہ جاؤ مکہ کے راستے خاخ مقام پر تمہیں ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

رقعہ ہے، وہ رقعہ برآمد کرنا ہے۔ دونوں صحابی گھوڑوں پر سوار ہوکر وہاں پہنچے۔ عورت کو روک لیا اور اسے رقعہ نکالنے کا کہا۔ اس نے انکار کیا اور تلاشی کے باوجود رقعہ برآمد نہ ہوا تو حضرت علیؓ نے دھمکی دی۔ جس سے مرعوب ہوکر اس نے بالوں کی چوٹی سے رقعہ نکال کر دے دیا۔ صحابہؓ کے اجتماع میں وہ رقعہ پڑھا گیا، جس میں اہل مکہ کو نبی ﷺ کے پروگرام کی اطلاع دی گئی تھی جس کے نیچے حاطب بن ابی بلتعہؓ کا نام تھا۔ تو حضرت عمرؓ شدید غصہ میں آ گئے اور دربارِ رسالتؐ سے ان کا سر قلم کرنے کی اجازت طلب کی۔ معاملہ واقعی سنگین تھا۔ اسلامی حکومت کی جاسوسی کی سزا بڑی سخت ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا: بتاؤ! کیا معاملہ ہے؟ حاطب نے تمام صورتِ حال آپ ﷺ کے گوش گزار کر دی اور بتایا کہ میرا مقصد صرف اپنے رشتہ داروں کو اہل مکہ کے شر سے بچانا تھا، باقی میں ایمان کی حالت پر قائم ہوں۔ ادھر حضرت عمرؓ ان کو قتل کرنے پر مصر تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے عمرؓ! حاطب غزوہ بدر میں شریک ہو چکا ہے، لہٰذا ان سے نرمی کا سلوک ہونا چاہیئے۔''

«لعل الله عزّوجلّ اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فإني قد غفرت لكم» (صحیح بخاری:۴۸۹۰)

''توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدریوں کو جھانک کر کہہ دیا ہو، جو چاہو کرو! میں نے تمہارا سب کچھ کیا کرایا معاف کر دیا۔''

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی کرے اور اس کی غلطی تاویل کی بنیاد پر اجتہادی ہو تو اس کے ساتھ ایک مرتد کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی فکری تربیت اس نہج پر کی کہ اجتہادی معاملات میں اختلاف اگر اخلاص پر مبنی ہوتا تو وہ اس میں کبھی سخت رویہ اختیار نہ کرتے اور دوسرے کی غلطی کو برداشت کرتے لہٰذا ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی فکر کو اس نہج پر استوار کرنے کی کوشش کرے۔

مشہور علمی مقولہ ہے: ''الاجتهاد لا يُنقَض بالاجتهاد''

''ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کو توڑتا نہیں ہے۔''

اس نہج پر میری تربیت میں ایک واقعہ نے اہم کردار ادا کیا۔ میں نے دورِ طالب علمی میں

© rasailojaraid.com

ایک حدیث پڑھی کہ ''اگر آدمی اپنے سامنے کوئی غلط کام دیکھے اور پھر اس پر خاموش رہے تو وہ گونگا شیطان ہے۔''

چوک دالگراں، لاہور میں ہمارے بزرگوں کی ایک بڑی مسجد ہے، جہاں میری جوانی کے ابتدائی سال گزرے۔ وہاں جب کوئی خطیب خطبہ دیتا اور بسا اوقات میری نظر میں کوئی بات مرجوح ہوتی خصوصا اکثر خطیب عموماً مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں تو ایسے موقع پر خطبۂ جمعہ کے بعد میں اس حدیث کے تحت خطیب کی غلطی یا مبالغہ آرائی کی وضاحت ضروری سمجھتا، لیکن وہاں بزرگ علما کی موجودگی میں یہ طریقہ مجھے خود کوئی اچھا نہ لگتا۔ میں نے اس ذہنی الجھن اور کشمکش کا ذکر اپنے تایا اور استاذ گرامی حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ سے کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ خطیب جب جوشِ خطابت میں کوئی بات کرتا ہے تو اس سے مبالغہ ہو ہی جاتا ہے، لیکن اس سے اس کا مقصد غلط نہیں ہوتا۔ اگر اجتہادی امور میں شریعت کو اس طرح تنگ کر دیا جائے تو پھر تو شریعت کی پیروی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر ایسا مسئلہ جس میں دو آرا ہوں، اس میں شدت کا رویہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، لہٰذا وہ حدیث یہاں لاگو نہیں ہوتی۔

اس کے بعد میری سوچ وفکر میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی اور اجتہادی مسائل میں میرا رویہ خاصا سلجھ گیا۔ پینتیس چالیس سال قبل کے مناظرانہ ماحول میں، جب کہ میں خود بھی اس وقت اسی ماحول کا حصہ تھا، مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ مناظرہ بازی میں افہام وتفہیم کے بجائے اصل مقصد مدمقابل کو شکست دینا ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں مجھے مناظروں سے نفرت پیدا ہوگئی۔ واقعی اسلام عناد وتعصب کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إن الله يحب الرفق» (صحیح بخاری:۶۹۲۷)

''اللہ تو نرمی کو پسند کرتا ہے۔''

اور نرمی کا مفہوم امام ابن حجرؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"الرفق هو لين الجانب بالقول والفعل والأخذ بالأسهل وهو ضد العنف" (فتح الباری:۱۰/۴۴۹)

''آدمی قول وکردار اور ہر معاملہ میں آسان تر پہلو اختیار کرے اور اس کے مقابل لفظ

© rasaloiaraid.com

شدت، تلخی اور سختی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اجتہادی اختلافات اور غیروں کی تہذیب کی نقالی کے علاوہ عام اجتماعی معاملات میں بھی شدت، غلو اور سختی کو سخت ناپسند کیا ہے اور شدت کے رویہ پر سخت وعید سنائی ہے۔

جب صحابہ کرامؓ کفار کے ظلم وستم کی شکایت کرکے آپ ﷺ سے کفار کے خلاف بددعا کی درخواست کرتے تو آپ ﷺ فرماتے:

''مجھے بددعائیں اور لعن طعن کرنے والا نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

البتہ آپ ﷺ کو شدت اور انتہا پسندی اس قدر ناپسند تھی کہ آپ ﷺ نے سخت رویہ رکھنے والوں کے خلاف ان کا نام لیے بغیر ان الفاظ میں بددعا کی ہے:

«اللهم من ولي من أمر أمتي شيئا فشق عليهم، فاشقق عليه ومن ولي من أمر أمتي شيئا فرَفق بهم فارفق به» (صحیح مسلم: ۱۸۲۸)

''اے اللہ! جو شخص میری اُمت کے کسی اجتماعی معاملہ کا ذمہ دار ہو، پھر وہ ان پر سخت رویہ رکھے تو اے اللہ! تو اس پر سخت ہو جا اور جس کا رویہ نرم ہو، تو اس پر نرم ہو جا۔''

چنانچہ جو شخص اجتہادی اختلافات اور باہمی اجتماعی معاملات میں نرمی و ملائمت اور لطافت وبردباری کو اختیار کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے جہنم سے آزادی کی اور جنت کی نوید سنائی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«حرم على النار كل هين لين سهل من الناس» (مسند احمد: ۴۱۵/۱)

''اس شخص پر جہنم حرام کردی گئی ہے جو نرم خو ہو اور لوگوں کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کرنا آسان ہو۔ نیز اس کا رویہ لوگوں کے ساتھ قربت کا ہو۔''

نبیؐ نے مؤمن کا رویہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"المؤمن غِرٌّ كريم والفاجر خِبٌّ لئيم" (جامع ترمذی: ۱۹۶۶،'صحیح')

''مؤمن روشن دماغ (نرم خو) اور سخی دل ہوتا ہے جب کہ فاسق وفاجر تنگ ظرف اور کمینہ ہوتا ہے۔''

حافظ ابن عبد البرؒ نے التمهيد میں المؤمن سهل کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

اور یہی وہ رویہ ہے جس کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کی ہے:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشیة:۲۰،۲۱)

نصیحت کرتے ہوئے بھی ہمارا رویہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ آدمی دوسرے پر مسلط ہوجائے اور قابوس کی طرح چھا جائے۔یعنی نصیحت کرتے وقت خوف و ہراس کی فضا قائم نہ کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ رفق،غلو وشدت سے گریز اور آسانی شریعت ِاسلامیہ کا عمومی مزاج ہے اور اسلامی تعلیمات کا حسن اسی وصف ِ'رفق' سے وابستہ ہے،رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إن الرفق لا يكون في شيئ إلا زانه ولا ينزع من شيئ إلا شانه»

''جس چیز میں بھی نرمی کا رویہ کارفرما ہو،وہ چیز حسین بن جاتی ہے اور جو چیز اس وصف ِرفق سے محروم ہوجائے ،وہ چیز بدنما ہوجاتی ہے۔''(صحیح مسلم:۲۵۹۴)

نبی ﷺ نے ہمیشہ آسانی کے رویہ کو پسند کیا ہے،ایک حدیث میں آتا ہے:

«ما خُيِّر النبي ﷺ بين شيئين إلا أخذ أيسرهما ما لم يكن إثما»

''جب نبی ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ہمیشہ ان میں سے آسان تر کو اختیار کرتے۔'' (صحیح بخاری:۳۵۶۰)

چنانچہ ایک مربی،عالم اور مفتی کا یہ بنیادی وظیفہ ہے کہ وہ اس صفت سے متصف ہو۔ اس کے لئے نبی ﷺ کا انداز ہی ہمارے لئے اُسوہ ہے،دیکھئے آپ ﷺ اس سلسلہ میں کس قدر حکمت اور دھیما انداز اختیار کرتے ہیں:

''نبی ﷺ کی زوجہ حضرت اُمّ سلمہؓ کے ایک بیٹے عمر بن ابی سلمہ آپ ﷺ کے زیر پرورش تھے۔ نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے جب کہ ابھی بچے تھے۔ایک دفعہ کھانا کھاتے ہوئے سالن کے برتن میں ادھر ادھر ہاتھ مار رہے تھے۔ نبی ﷺ نے دیکھا تو اسے فوراً روکا نہیں،بلکہ پہلے «أدنُ مني يا بُنَّي» ''اے میرے پیارے بیٹے! میرے قریب آؤ۔'' کہہ کر اس کے ساتھ محبت واُنس کا اظہار کیا اور پھر فرمایا کہ دیکھو کھانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔آپؐ نے ایک اور موقع پر اس کی مصلحت یہ بتائی:

«إن البركة تنزل في وسط الطعام فكلوا من حافاته ولا تأكلوا من وسطه» (مستدرک حاکم:۱۲۹/۴) ''برکت کھانے کے درمیان میں اُترتی ہے،لہٰذا پہلے تم

© rasailojaraid.com

اس کے کناروں سے کھاؤ، اس کے درمیان سے نہ کھاؤ۔''

شریعت کے اس مجموعی اور عمومی مزاج کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فقہا نے مزاج شریعت سے بعض نہایت اہم قانونی ضابطے وضع کیے جنہیں فقہی مسائل کے استنباط میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ان کے لئے القواعد الفقهية (Legal Maxims) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

مشہور قاعدہ فقہیہ ہے: ''المشقة تجلب التيسير'' ''اسلام نے ہر مشقت کے وقت آسانی کی راہ پیدا کی ہے۔'' چنانچہ قرآنِ کریم نے اسی اُصول کے پیش نظر ہی نابالغ بچوں اور بے رغبت ماتحتوں سے پردے میں زیادہ سختی نہیں کی۔ حالانکہ بچوں کے اندر جنسی اُمور کا احساس موجود ہوتا ہے اور جنسی معاملات سے وہ کافی حد تک واقف بھی ہوتے ہیں، لیکن اس حکمت کے تحت کہ وہ الطوافین والطوافات میں سے ہیں (ان کا آنا جانا عموماً زیادہ ہوتا ہے) ان سے پردہ میں یقیناً مشکل پیدا ہوتی، لہٰذا مذکورہ مصلحت کے تحت ان سے پردہ کو ضروری قرار نہیں دیا لیکن احتیاط کے طور تمام بچوں اور غلاموں پر بھی ان تین اوقات میں آنے جانے پر قدغن عائد کردی:

﴿ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ﴾ (النور:۵۸)

''صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کو جب تم کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے لئے بے حجابی کے ہوتے ہیں۔''

اس کے علاوہ فقہاے اسلام نے متعدد احکام میں اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً بارش کے دوران کپڑوں پر پڑنے والے کیچڑ سے کپڑوں پر ناپاک ہونے کا حکم اس لئے نہیں لگایا کہ اس میں مشکل پیدا ہوجاتی۔ اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ خواتین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم (لمبی چادوروں میں) ناپاک اور گندی جگہ سے گزر کر آتی ہیں تو کیا اس سے ہماری زمین پر گھسٹی چادریں ناپاک ہوجاتی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا گندی جگہ سے گزرنے کے بعد تم صاف جگہ سے نہیں گزرتیں؟''

www.KitaboSunnat.com

جوتوں اور ننگے پاؤں والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت نے ہر مشکل میں آسانی کا پہلو بہرحال ملحوظ رکھا ہے۔ اس میں ہمارے لئے تربیت کا پہلو یہ ہے کہ شریعت کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اور باہمی اختلافات اور انتظامی معاملات میں اگر ہم نرمی اور آسانی کے رویہ کو پیش نگاہ نہیں رکھیں گے تو زندگی بدنما اور اجیرن بن جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر معاملہ کی خوبصورتی یا بدنمائی اسی صفتِ رفق سے وابستہ ہے۔ رفق و آسانی یقیناً شریعت کا عمومی مزاج اور شدت وغلو اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

«من يحرم الرفق يحرم الخير» (صحیح مسلم:۲۵۹۲)

''جو شخص (شریعت کے اس مزاج سے نا آشنا اور) رفق و آسانی سے محروم ہے، وہ خیر وبرکت سے بھی محروم کردیا گیا۔''

اپنی زوجہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو مخاطب کرکے آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا عائشة ارفقي فإن الله إذا أراد بأهل بيت خيرا دلهم على باب الرفق»

''اے عائشہ! نرمی کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی گھرانہ کے ساتھ خیر بھلائی کا ارادہ کریں تو رِفق کا دروازہ ان کے لئے وا کردیتے ہیں۔'' (مسند احمد:۶/۱۰۴)

ان تعلیماتِ نبوی ﷺ میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہم شریعت کے اس عمومی مزاج کے مطابق اپنی زندگی اور قول و کردار کو ڈھالیں۔ یہی گوشۂ عافیت ہے اور اسی میں ہی دنیا و آخرت کی بھلائیاں پنہاں ہیں۔ (خطاب: حافظ عبدالرحمٰن مدنی ◉ ترتیب: محمد اسلم صدیق)

[خطبہ جمعہ: ۲۴/ مارچ ۲۰۰۶ء ...... بمقام مسجد جامعہ لاہور الاسلامیہ]

معروف قلمکار محمد عطاء اللہ صدیقی کے گوہر بار قلم سے

بسنت، اسلامی ثقافت اور پاکستان

نظریاتی وتاریخی مباحث + اہل لاہور کی نئی بسنت + بسنتی کالموں اور مراسلوں کا انتخاب + ہلاکت خیز خبریں

اپنے موضوع پر پہلی جامع اور مستند ترین کتاب

صفحات: ۳۳۶، چہاررنگہ ٹائٹل، مجلد، معیاری طباعت وکمپوزنگ ...... قیمت ۱۸۰ روپے

مجلس التحقیق الاسلامی: ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور